''دہشت گردی'' اور مسلمان

انیس احمد

مشہور امریکی ماہر لسانیات نوام چومسکی (Noam Chomsky) نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں انگریزی میں "War on Terror" کی اصطلاح کو لسانی نقطہ نظر سے منطقی طور پر ناممکن قرار دیتے ہوئے امریکہ کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کیے کہ "The US is one of the leading terrorist states in the world"[1] ۔اس سے جہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امریکی باشندوں کی ایک بڑی تعداد امریکی حکومت کی تشدد پسند پالیسیوں کی حمایت نہیں کرتی اور خصوصاً جو لوگ پڑھے لکھے اور دانشور ہیں وہاں یہ بات بھی ابھر کر سامنے آتی ہے کہ حق گوئی اور اس کے لیے نتائج سے بے پروا ہو کر آواز بلند کرنے کی روایت آج بھی پائی جاتی ہے۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے سانحے کو دہشت گردی قرار دینے کے باوجود یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ مغربی ممالک خصوصاً امریکہ نے گزشتہ ۲۰ سال کے عرصے میں جو دہشت گردی سمندر پار ممالک میں پھیلائی ہے اس کی مثال پوری گزشتہ صدی میں نہیں ملتی۔ چومسکی کا کہنا ہے کہ گو امریکہ نے وسطی امریکہ میں تباہی پھیلائی اور جنوبی افریقہ میں لاکھوں افراد کے قتل کا باعث بنا لیکن ۱۱ ستمبر کے واقعے نے امریکہ اور یورپی ممالک کو عالمی سطح پر دہشت گردی کا عذر فراہم کر دیا۔ چومسکی کا یہ بھی کہنا ہے کہ جو حضرات اس وقت امریکی انتظامیہ کی ناک کا بال ہیں وہ عالمی عدالت کی نگاہ میں بذات خود دہشت گردی کے ملزم ہیں۔

لیکن کیا امریکہ کو دہشت گرد قرار دے کر مسئلہ کا حل کیا جا سکتا ہے یا امریکی سرمایہ داری اور عالمی جارحیت کے علاقائی اداروں ''عالمی تجارتی مرکز'' یا ''جڑواں میناروں'' کو نشانہ بنا کر امریکی سامراجیت کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے؟ مزید یہ کہ آخر دہشت گردی ہے کیا؟ اگر ایک قوم اپنے حقوق انسانی کے حصول کے

1. Noam Chomsky, "United States is a leading Terrorist State," *The Daily Times*, Jan 1. 2003.

لیے کسی جابر و ظالم اور تشدد پرست حکومت کے خلاف تحریک چلاتی ہے تو کیا اس تحریک حریت کو دہشت گردی قرار دیا جائے گا؟ کیا ابراہیم لنکن اور جارج واشنگٹن جیسے امریکی ہیرو اور نیلسن منڈیلا جیسے افریقی رہنما اپنے اپنے دور میں دہشت گردی کی جنگ لڑ رہے تھے یا وہ جہاد حریت میں مشغول تھے؟ کیا تشدد اور دہشت گردی صرف فلسطین اور کشمیر میں پائی جاتی ہے اور اس بنا پر ہر گمنام فلسطینی اور کشمیری اصلاً ایک دہشت گرد اور دنیا کے امن کے لیے بارودی فلیتہ ہے؟ کیا تحریکات حریت میں بعض اوقات بارودی پٹی کے ذریعہ خودکش حملہ کرنے والے افراد جو جان قربان کرتے ہیں یا خودکشی کے مرتکب ہوتے ان کا وجود صرف اسلامی روایت میں پایا جاتا ہے اور صرف مسلمان ہی ظلم اور استحصال کے خلاف جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں یا دیگر مذاہب میں بھی اس قسم کے تصورات پائے جاتے ہیں؟ ۷۰-۶۵ میلادی میں یہودیوں کا فرقہ، جو Zealosts کے نام سے مشہور ہے، رومن فرمانرواؤں کے سامنے خود کو رضا کارانہ طور پر قربانی کے لیے پیش کرتا تھا۔ کیا وہ بھی کشمیری یا فلسطینی نژاد تھے یا عارفانہ طور پر دل سے مسلمان ہو کر عیسائیت کی صلیب ہاتھ میں لے کر یہ نیک کام کر رہے تھے؟

کیا بابری مسجد کے ڈھانے والے ہاتھ اور گجرات میں بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو بلا امتیاز قتل کرنے، ان کے مکانات کو جلانے اور بہت سوں کو زندہ نذر آتش کرنے والے ''اہمسا'' کے بچارے تھے یا ہندستان کی برسر اقتدار جماعت بی جے پی اور وشوا ہندو پریشد کے ''ہندوتوا'' فلسفہ پر عامل سفاک قاتل اور مجرم تھے؟ یہ اور اس نوعیت کے بہت سے سوالات حالات حاضرہ کے ایک طالب علم کو یہ سوچنے پر ابھارتے ہیں کہ کیا وجہ ہے ہر ٹی وی کی سرخیوں میں جو مناظر آتش زدگی، قتل، بربریت کے دکھائے جاتے ہیں ان کرداروں کی وضع قطع اور لباس مسلمانوں کا سا ہی کیوں ہوتا ہے؟ ہر نظر آنے والے ستون کے پیچھے ایک اسامہ بن لادن ہی کیوں چھپا نظر آتا ہے؟ کیا یہ ابلاغ عامہ کی کسی عالمگیر سازش کی بنا پر ہے یا فی الواقع ہر گڑبڑ کی ذمہ داری کبھی سامنے نہ آنے والے سات پردوں میں روپوش، ''اسامہ بن لادن'' پر ہی عائد ہوتی ہے؟

اس مختصر جائزہ میں ان سب سوالات کا، بغیر کسی معذرت کے، حقیقت پسندانہ مفصل اور معروضی جواب صفحات کی قلت کے سبب دینا بہت مشکل ہے اس لیے ہم محض چند نکات پر ہی اکتفا کریں گے۔ جہاں

تک دہشت گردی کی تعریف کا سوال ہے اقوام متحدہ میں ''غیر جانبدار گروہ'' اس کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

"Acts of violence commited by a group of individuals which: endanger human lives and jeopardize fundamental freedom , the effects of which are not confined to one state. This should not however effect the inalienable rights to self-determination under colonial and racial regemes"[1]

گویا کشمیر ہو یا فلسطین اور ماضی کا جنوبی افریقہ ہو یا الجزائر جہاں کہیں بھی بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف کوئی تحریک برپا ہوئی وہ نہ دہشت گردی تھی نہ کوئی جرم۔

پھر کیا وجہ ہے کہ کسی بھی عالمی حادثہ کے وقوعہ کے فوراً بعد قیاس کے گھوڑوں کا رخ مسلمانوں کی طرف ہوتا ہے اور ممکنہ ملزم کے عیسائی نام کے ساتھ مسلم ناموں کے اجزاء شامل کر دیے جاتے ہیں؟ ہمارے خیال میں اس کے تین بنیادی اسباب ہیں۔ اولاً بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ ۳۰ سال میں عالمی طور پر اسلامی احیائی تحریکات کے اثرات کو محسوس کرتے ہوئے مغربی سرمایہ داری، قبل اس کے کہ ان تحریکات کے زیر اثر متوقع نتائج نکلنے شروع ہوں، ابلاغی اور عسکری قوت کا بے دریغ استعمال کر کے ان تحریکات کو غیر مؤثر بنانے ہی میں اپنی نجات اور بقا سمجھتی ہے۔ اس لیے جہاں کہیں ایسے امکانات پیدا ہونے شروع ہوئے، مثلاً جب الجزائر میں جمہوری عمل کے ذریعہ اسلامی احیائی تحریک کے سیاسی اقتدار میں آنے کی شکل بنی تو عسکری قوت استعمال کر کے اس جمہوری عمل کا اسقاط کر دیا گیا نتیجتاً ایک طویل مزاحمتی تحریک شروع ہوگئی جو ایک دہائی گزرنے پر بھی برقرار ہے۔

ثانیاً بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی کا عذر گھڑنے کے بعد مغربی سرمایہ دارانہ قوتیں ان قدرتی وسائل پر دوبارہ مکمل اختیار حاصل کرنا چاہتی ہیں جو بیسوی صدی کی تحریک حریت کے نتیجے میں اس کے سیاسی تسلط سے آزاد ہو گئے تھے۔ چنانچہ عراق کے تیل کے ذخائر ہوں یا سعودی عرب اور ایران کے، ان پر قبضہ کرنے کی حکمت عملی یہ طے پائی ہے کہ پہلے ان تمام ممالک کو بنیاد پرست، امن دشمن اور حقوق انسانی کی پامالی کا ملزم قرار دے کر عالمی سطح پر ان کی تصویر کشی ترقی کے دشمن اور عالمی دہشت گردی کے

1. Proceedings of the 28th session of the General Assembly/A/9028/ 1973). quoted by Khurshid Ahmad, in Forward to *Terrorism Myth and reality*, by M.A. Zaki, I.P.S. Islamabad, 2002, P. 8.

پشت پناہ کی حیثیت سے کی جائے تا کہ ان پر ہاتھ صاف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ ہو چنانچہ گزشتہ چند ماہ سے سعودی عرب کی وہابیت، ایران کی ''کربلائی'' تشدد پرستی اور پاکستان میں ''مذہبی جنونیوں'' کا ہوا بار بار اخبارات اور ٹی وی کی سرخی بنایا جارہا ہے تا کہ ان میں سے کسی بھی ملک پر یلغار کرنے کا جواز پیدا کر لیا جائے۔ ماضی کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ عراق کو ایران کے خلاف ہر قسم کی امداد دینے کے بعد اس کے خلاف استعمال کیا گیا اور جب وہ یہ کام اطاعت گزاری کے ساتھ کر چکا تو اس کو کویت کے خلاف کارروائی کی اجازت مرحمت فرمادی گئی اور پھر اسے کیمیاوی گیسوں کے ذریعے کردوں کو نشانہ بنانے میں امداد فراہم کرنے کے بعد اچانک امن عالم کے لیے خطرہ قرار دے دیا گیا اور اس بات کو اتنی مرتبہ دہرایا گیا کہ عراقیوں کو بھی اپنے دہشت گرد ہونے کا گمان ہو جائے۔

اس بازیگری کا حاصل؟ کویت سعودی عرب اور قطر میں ان ممالک کے مفادات کے تحفظ کے لیے امریکی افواج کی موجودگی کا جواز پیدا کرنا اور پھر ان مسلم ممالک کو انہی کے پڑوسی ملک سے محفوظ کرنے کے لیے پڑوسی ملک (عراق) کے تیل کے ذخائر کو اپنی تحویل میں لانا نظر آتا ہے۔ اس کارروائی کا منطقی تسلسل یہ معلوم ہوتا ہے کہ عراقی ''دہشت گردی'' کے خاتمہ کے بعد ایرانی ''دہشت گردی'' اور پھر پاکستانی ''دہشت گردی'' کو مٹانے کے لیے ''انسانیت کی خدمت'' کے اعلیٰ اور زرین اصول پر عمل کرتے ہوئے امریکہ اپنا یہ ''اخلاقی'' فرض پورا کرنے پر مجبور ہوگا۔

ثالثاً مغربی سرمایہ داری کے راسخ العقیدہ نمائندے اور دانشور تشدد اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کو ایک ایسی تہذیبی اور ثقافتی جنگ قرار دے رہے ہیں جس کا مقصد بظاہر مغربی سرمایہ داری اور جدیدیت کا تحفظ ہے۔ چنانچہ علمی پیرائے میں یہ بات کہی جارہی ہے کہ "Radical Islamists, intolerent of all diversity and dissent, have become the fascists of our day. That is what we are fighting against".[1]

کہا جارہا ہے کہ اسلام بذاتِ خود ایک ایسا دین ہے جو جدیدیت کا دشمن ہے، اختلاف رائے کو برداشت نہیں کرتا، انتہا پسندی کا مظہر ہے اور جہاد کے نام پر ''مذہبی جنونیوں'' کی نسل پیدا کرتا ہے۔ یہ

1.Francis Fukuyama, "Their Target: the Modern World," *Newsweek*, Special Issue 2002, P. 54.

ٹکنالوجی اور سائنسی ترقی کو گناہ سمجھتا ہے۔ اس کے عقائد و نظریات کو نظرثانی اور نئی تعبیر کی سخت ضرورت ہے تاکہ دور جدید کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکے۔ اسلام کی تعلیمات میں رواداری، جمہوریت، اباحیت اور لادینیت کو شامل کر لیا جائے تو شاید اسلام ایک ایسا بے ضرر دین بن جائے جو مغرب کے لیے قابل قبول ہو اور مغربی معاشی ترقی کے لیے مشکلات اور خطرات کا باعث نہ بنے۔ مسلم دنیا کے لیے قابل تقلید مثال اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ جنوبی کوریا، جاپان اور ترکی کی ہے جنہوں نے مغربیت کو بلا روک ٹوک اختیار کیا اور ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی کہی جارہی ہے کہ اسلام میں چونکہ آزادیٔ رائے کے لیے کوئی مقام نہیں ہے (گویا اسلام ان کی نگاہ میں پاپائیت ہی کی ایک شکل ہے) اس لیے بادشاہتیں اور آمریتیں ہی ان کا مقدر بن گئی ہیں۔ گویا مراکش ہو یا اردن، ترکی کی فوجی قیادت ہو یا الجزائر کے فوجی حکمران، سابقہ شاہ ایران کی حکومت ہو یا عراق کے صدام حسین ان سب کو ان کے ''راسخ العقیدہ مسلمان'' ہونے کی بناء پر ان ممالک کے عوام نے اپنے سروں پر مسلط کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ناجائز طور پر برسراقتدار آنے میں امریکہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

مغربی محققین واضح تاریخی حقائق کا دیدہ دلیری سے مذاق اڑاتے ہوئے خود قرآن کریم کے حوالے سے وہ بہت سی باتیں دوبارہ اٹھا رہے ہیں جو صدیوں سے زیر بحث آتی رہی ہیں اور جن پر مسلم علماء اور دانشوروں نے علمی سطح پر بغیر کسی معذرت کے حقائق کو بلا کم و کاست پہلے ہی پیش کر دیا ہے۔

بعض مغربی ناقدین قرآن کریم کی ان آیات کے حوالے سے جن میں جہاد اور قتال کا حکم دیا گیا ہے یہ کہتے ہیں کہ ایسی آیات کی موجودگی میں، جو ان کے بقول ان آیات کو منسوخ کر دیتی ہیں جن میں امن ترقی اور محبت کا پیغام دیا گیا ہے، اسلام کو کس طرح ایک امن پسند مذہب کہا جا سکتا ہے۔ سورہ النساء کی آیت ۷۴ کو اس کے سیاق و سباق سے نکال کر بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے کہ ''اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں۔ پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے'' (النساء ۴:۷۴)۔

اس آیت مبارکہ کو نقل کرنے کے بعد مغربی مستشرق یہ کہتے ہیں کہ اسلام لوگوں کو لڑائی اور قتل پر

ابھارتا ہے۔ کاش یہی مستشرق اس آیت سے اگلی آیت کو بھی پڑھ لیتے اور پھر دونوں آیتوں کو ملا کر ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتے۔ رب کریم اگلی آیت میں فرماتا ہے ''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کرتے ہیں کہ ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی مددگار پیدا کر دے (النساء۴:۷۵)۔ اس آیت کو اگر صرف ایک غیر جانبدار نظر ڈال کر پڑھ لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ پہلی آیت کس کے خلاف جنگ پر ابھارتی ہے؟ اگر ظلم، تشدد، حقوق انسانی کی پامالی کرنے والے سفاک افراد کو ان کے حال پر یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے کہ ہم تو امن کے پرستار ہیں، ہم تلوار کو ہاتھ لگا کر گناہ کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتے تو کیا یہ رویہ اخلاق کے کسی بھی پیمانہ پر پورا اترے گا؟

اسلام اور قرآن کو کوئی معذرت پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اگر جہاد کی بات کرتا ہے تو دوٹوک، سیدھے اور غیر مبہم انداز میں یہ بات کہتا ہے کہ ہر ظالم، جابر، سفاک کے خلاف جنگ کرنا انسانی فریضہ ہے۔ اسلام کا مقصد قیام امن و عدل ہے اور اس میں اگر گفت وشنید، اخلاقی دباؤ ترغیب و مکالمہ ہر چیز ناکام ہو جائے اور عورتیں، بچے اور بوڑھے مسلسل ظلم کا شکار ہو رہے ہوں تو پھر اس سے قطع نظر کہ وہ مظلوم مسلمان ہیں یا غیر مسلم، ان کی نصرت و امداد مسلمان پر فرض ہو جاتی ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جو یہ دو آیتیں دیتی ہیں ان میں کس جگہ یہ کہا گیا ہے کہ بلا کسی سبب کے جب اور جہاں چاہو مذہب کے نام پر خون بہا دو؟

اسی طرح سورہ توبہ کی ایک آیت کے حوالے سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس میں غیر مسلموں اور اہل کتاب کے خلاف قتل عام کی اجازت دی گئی: ''جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور زیر نگین بن کر رہیں'' (التوبہ۹:۲۹)۔ یہاں بھی قرآن کریم یہ بات واضح الفاظ میں بیان کر رہا ہے کہ غیر مسلم اہل کتاب ہوں یا کوئی اور ان کے خلاف صرف اس وقت تک جنگ کی جا سکتی ہے جب تک وہ اسلامی ریاست کی سیادت تسلیم نہ کر لیں۔ اصل مقصد ان کو قتل کرنا، ختم کرنا، تباہ کرنا نہیں ہے بلکہ قانون کی حکمرانی ہے، امن و عدل کا

قیام ہے۔ جہاد کا مدعا انہیں مار مار کر قوت کے زور سے مسلمان بنانا یا صفحۂ ہستی سے مٹانا نہیں ہے۔ اسلام کسی بھی ذی روح بلکہ غیر ذی روح کو بھی تشدد کے ذریعہ تباہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ حیوان ہوں یا نباتات یہ صرف مغربی سامراجی طاقتوں کا طریقہ ہے کہ وہ جہاں چاہیں ''تورا بورا'' کرنے کا پیدائشی حق بزعم خود استعمال کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے۔ وہ ویت نام ہو، کوریا ہو، بوسنیا ہرزگوینا ہو، چیچنیا ہو، آذربائیجان ہو، افغانستان ہو یا عراق وہ جب اور جہاں چاہتے ہیں اپنے مفاد کے لیے دوسروں کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنانا اپنا ''انسانی فرض'' سمجھتے ہیں۔

سورہ المائدہ کی آیت ۵۱ کے حوالے سے بھی یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ یہود اور عیسائیوں کو ''دشمن'' کے مقام پر رکھ دیتی ہے اور اس طرح ان کے خلاف نفرت کے جذبات کو ہوا دیتی ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ یہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی انہیں میں ہے یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے'' (المائدہ ۵:۵۱)۔ سلسلہ مضامین پر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ آیت نمبر ۴۲ سے جس موضوع پر بات کی جارہی ہے وہ اہل کتاب کا عناد، جھوٹ اور دھوکہ دہی پر مبنی طرز عمل ہے جس میں ان کے مذہبی رہنماؤں کا اپنے ذاتی مفاد کے لیے توراۃ و انجیل کی تعلیمات کو بدل دینا اور اللہ کے ساتھ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو شریک بنانا ہے۔

پھر بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شریعتیں مختلف ادوار میں نازل کی ہیں ان میں بہت سی تعلیمات مشترک ہیں۔ اسلامی شریعت بھی انہی اصولوں پر مبنی اور مِن جانب اللہ ہے اس لیے یہود و نصاریٰ کے بہکائے میں آئے بغیر فیصلے اللہ کی شریعت کے مطابق کیے جائیں، باوجود اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی کوشش یہ ہو کہ اہل ایمان کو فتنہ میں ڈال کر اپنی طرح گمراہ کر دیں۔

اس تفصیل کے بعد جو آیت ۴۲ سے آیت ۵۰ تک بیان کی گئی ہے یہ فرمایا جارہا ہے کہ یہود اور عیسائیوں کو رفیق نہ بنایا جائے کیونکہ یہ تو آپس ہی میں گمراہوں کے رفیق ہو سکتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو سیاق و سباق کی روشنی میں اس سے زیادہ سچی بات اور کیا ہو سکتی ہے جو یہاں کہی جارہی ہے۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جس سورۃ کے حوالے سے مستشرقین یہ الزام اسلام کو دیتے ہیں، اس کا آغاز جن

الفاظ سے کیا جا رہا ہے وہ ان محققین کی نگہ انتخاب سے نہ جانے کیوں اوجھل ہو جاتے ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے: ''آج تمہارے لیے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں خواہ وہ اہل ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی [یہودی یا عیسائی] بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو---'' (المائدہ ۵:۵)۔

ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جن یہودی یا عیسائی نیک خواتین کے ساتھ رشتہ مناکحت کی اجازت دی جا رہی ہو گویا انہیں اپنے گھر اور اپنے معاشرہ میں ایک قابل احترام بیوی کا مقام دیا جا رہا ہو اور جن کے ساتھ کھانے پینے کے معاشرتی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی جا رہی ہو، ان کے بارے میں کیا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں جہاں کہیں مل جائیں انہیں تہ تیغ کر دو، تہس نہس کر دو اور صفحہ ہستی سے مٹا دو!

دوسری جانب کیا قرآن کریم کو یہ چاہیے کہ جو یہودی اور عیسائی بظاہر دوست بن کر آئیں جبکہ ان کا واضح مقصد فتنہ و فساد ہو، اہل ایمان کو آپس میں لڑانا ہو، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کے بہانے بلا کر زہر بھرا گوشت کھلا کر قتل کرنے کی نیت ہو تو کیا قرآن یا توراۃ کو ایسے افراد کو جگری دوست بنانے کا مشورہ دینا چاہیے؟ قرآن کریم ہی نہیں کسی بھی کتاب سے ایک جملہ نکال کر اس کو اپنے من مانے معنی پہنانا نہ تو فکری دیانت ہے اور نہ اس کتاب کے ساتھ انصاف۔ اسی لیے قرآن کریم نے یہ کہا تھا کہ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ تقویٰ کی روش سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے'' (المائدہ ۵:۸)۔

ایک اور قرآنی آیت: ''پس جب ان کافروں سے تمہاری مڈھ بھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو اس کے بعد (تمہیں اختیار ہے) احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کر لو تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے'' (سورہ محمد ۴۷:۴)۔ مغربی مستشرق اس آیت کی یہ تعبیر کرتے ہیں کہ قرآن یہ چاہتا ہے کہ اہل ایمان کو جہاں کہیں کفار مل جائیں ان کی گردنیں

مارتے چلے جائیں اور کشتے کے پشتے لگا دیں، بالکل اسی طرح جیسے کہ بوسنیا ہرزیگوینا میں بہت سے مقامات پر اجتماعی قبروں کی دریافت سے معلوم ہوا کہ کروٹ اور سرب عیسائیوں نے مسلمانوں کو بلاتفریق جنس وعمر تہ تیغ کیا۔

اس آیت مبارکہ کے نزول سے قبل سورہ الحج کی آیت ۳۹ اور سورہ البقرہ کی آیت ۱۹۰ جہاد کی اجازت کے سلسلہ میں آ چکی تھیں۔ اب اس بات کی ضرورت تھی کہ اسلامی قانون جنگ کی وضاحت جنگ پیش آنے سے قبل ہی کر دی جائے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اگر مشرکین وکفار کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی تحریک کو دبانے اور مٹانے کے لیے تمہیں مدینہ سے بے دخل کرنے کے لیے پوری قوت سے مدینہ پر حملہ آور ہو کر اس دعوت حق کی روشنی کو بجھا دیں تو جہاد کی اجازت کی روشنی میں تم بھی ان کی قوت توڑنے میں تکلف نہ کرو ''گردنیں مارنا'' محض قتل کرنے کے معنی میں نہیں بلکہ واضح طور پر ان کی قوت توڑنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

کسی بھی جنگ کی حکمت عملی یہی ہوتی ہے کہ مخالف کی قوت کو توڑا جائے۔ اس لیے قرآن کا یہ کہنا اخلاق وعدل کے اصولوں پر مبنی صحیح ترین عمل نظر آتا ہے۔ ہاں اگلی بات یہ سمجھا دی گئی کہ مقصود ان کا بے رحمانہ قتل نہیں بلکہ اگر ان کی قوت ٹوٹ جائے تو انہیں قید میں آنے کے بعد قتل نہیں کیا جا سکتا، ہر قیدی کو عزت واحترام کے ساتھ لباس، کھانا، تحفظ دیا جائے گا اور اس کے سامنے یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو فدیہ دے کر آزاد کرا لے یا اسلامی ریاست اسیر پر احسان کر کے رہا کر دے یا تبادلہ اسیران میں اسے رہا کر دیا جائے۔ ہمارے علم میں کسی انتہائی ''پرامن'' فلسفہ پر مبنی مذہب یا قوم کا کوئی ایسا اصول نہیں جس میں کہا گیا ہو کہ جب دشمن تم پر حملہ آور ہو تو اپنے دروازے کھول کر سر جھکا کر ادب سے اس کا استقبال کرتے ہوئے اپنی گردنیں قلم کرانے کے لیے پیش کر دو اور یقین کر لو کہ تمہاری طرف سے ایک انگلی بھی نہ اٹھے، نہ اس میں سے ایک قطرہ خون ٹپکے!

مستشرقین کے بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ کاش یہ علم کے مدعی بات کرنے سے قبل حصول معلومات بھی کر لیتے۔ مثلاً یہ کہنا کہ مسلم apologists یہ کہتے ہیں کہ تمام غلط فہمی اس بنا پر پیدا ہوتی ہے کہ قرآن کریم کے انگریزی تراجم ناقص ہیں اس بنا پر جہاد اور قتال کے

بارے میں غلط تصورات پائے جاتے ہیں (الراوندی:"Islam and Armageddon")۔ یہ نصف سچائی پر مبنی ایک بیان ہے۔ ہمارے خیال میں بعض صورتوں میں اس کا امکان تو ہے لیکن اصل مسئلہ ترجمہ کا نہیں بلکہ قرآن کریم کی آیات کو سیاق و سباق سے الگ کر کے اس کا مفہوم اپنے ذہنی مفروضوں کی روشنی میں متعین کرنا ہے۔

تحقیق کا بنیادی اصول ہے کہ زیر بحث معاملہ کو براہ راست اس کے سیاق و سباق میں دیکھا جائے اس کے بعد کوئی رائے قائم کی جائے یہی سبب ہے کہ مستشرقین بعض ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو بنیادی اسلامی علمی اصطلاحات سے ان کی ناواقفیت کا اظہار کرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ مکی آیات رحم وعفو ومحبت سے بھری ہوئی ہیں جبکہ مدنی آیات مثلاً مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو' نے ۱۲۴ ایسی آیات کو جو رحم ولطف سے متعلق تھیں منسوخ کردیا ہے (الراوندی، ایضاً)، نہ صرف مکی و مدنی آیات سے ناواقفیت ظاہر کرتا ہے بلکہ نسخ فی القرآن جیسے اہم مضمون سے مکمل لاعلمی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

حقیقت واقعہ یوں ہے کہ ۹ ہجری میں جب مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کی قیادت میں پہلا حج کیا تو سورہ توبہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ اور اس کے رسول نے ان مشرکین سے اپنی برأت کا اعلان کیا جن سے اس سے قبل بعض معاہدے ہوئے تھے اور وہ ان کی خلاف ورزی کرتے رہے تھے۔ انہیں مہلت دی گئی کہ وہ آئندہ چار ماہ تک اپنے بارے میں طے کرلیں اور اگر کہیں اور جا کر آباد ہونا ہو تو بلا روک ٹوک چلے جائیں یا اپنی روش بدلنی ہو تو ایسا کرلیں۔ اس کے بعد ان کے خلاف عام اعلان جنگ کرتے ہوئے یہ بات سمجھادی گئی کہ ان چار ماہ کے بعد مشرکین کے خلاف اس وقت تک جنگ ہوگی جب تک وہ اپنی غلطی کا اعتراف (توبہ) کرنے کے بعد نماز اور زکوۃ پر عامل نہ ہوجائیں۔

چنانچہ اس آیت سے اگلی آیت میں مشرکین کے حوالے ہی سے یہ ہدایت کی گئی کہ گو ان کے خلاف جارحیت کی اجازت ہے لیکن اگر کوئی مشرک عین حالت جنگ میں بھی اہل ایمان سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دی جائے اور اسے قرآن سننے اور اہل قرآن کو دیکھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ پھر اسے مجبور کیے بغیر اور اس پر کسی قسم کا تشدد کیے بغیر اس کے گھر تک اپنی امان اور حفاظت میں پہنچانا مسلمانوں کا فرض ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ کلام الٰہی سنے)

تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ کلام الٰہی سن لے پھر اسے اس کے مامن تک پہنچا دو۔ یہ اس لیے کرنا چاہیے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے'' (التوبہ ۹:۶)۔

دونوں آیات کو ملا کر پڑھیے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ''مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ'' کے حکم کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ یہ ایک مطلق اجازت نہیں ہے کہ جہاں کسی مشرک کو دیکھا اور نشانہ بنا دیا بلکہ اس بات کا اعلان ہے کہ ہماری اصل جنگ شرک وکفر کے ساتھ ہے اگر کوئی مشرک حصول معلومات کے لیے اہل ایمان سے پناہ طلب کرتا ہے تو قرآنی حکم کی اطاعت میں اسے نہ ہاتھ لگایا جائے گا نہ قیدی بنایا جائے گا بلکہ اپنی حفاظت میں اسے اس کے گھر تک لے جایا جائے گا۔ یہاں بھی آیت کے ایک حصے کو سیاق وسباق سے الگ کرنے کے نتیجے میں مستشرقین ایک گمراہ کن تعبیر کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے خود قرآن سے فلسفہ تشدد کو ثابت کر دیا۔

ہمیں سیموئیل ہنٹنگٹن Samuel Huntington کے اس مفروضہ سے بنیادی اختلاف ہے کہ جڑواں میناروں پر حملہ ''مسلم جنگوں'' کے دور کا حصہ ہے۔ وہ سیاست وتاریخ کے ایک پروفیسر کی حیثیت سے یہ بات کہتے ہیں کہ ان جنگجوں کا آغاز ۱۹۸۰ء میں عراق کے ایران پر حملے سے ہوا۔ ۱۹۸۹ء میں ان کے نتیجے میں دس سال کی جدوجہد کے بعد سابقہ سویت یونین کو افغانستان سے نکلنا پڑا۔ ۱۹۹۰ء میں عراق کا کویت پر حملہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی اور پھر ۱۹۹۳ء میں پہلی مرتبہ عالمی تجارتی مرکز پر حملہ ''مسلم جنگوں'' ہی کا حصہ تھا۔ یہاں شاید یہ بات وہ نامعلوم وجوہات کی بناء پر نظر انداز کر جاتے ہیں کہ کیا عراق کا ایران پر حملہ یا کویت پر حملہ ایک ''مسلم جنگ'' تھا یا امریکہ کی سرپرستی اور ترغیب اور یورپ کی جانب سے صدام حسین کو اسلحہ فراہم کرنے اور امریکہ کی طرف سے اس یقین دہانی کی بنا پر تھا کہ وہ اس معاملہ کو ایک ''مقامی تنازعہ'' سمجھے گا۔ گویا یہ امریکہ کی جانب سے عراق کو اکسا کر ایران کی طاقت کو توڑنے کی ایک قبیح حرکت تھی جسے محترم ہنٹنگٹن ''مسلم جنگ'' سے تعبیر کر رہے ہیں۔ کیا افغان جہاد صرف اور صرف ''مسلم جنگ'' تھا یا امریکہ کی عسکری، سیاسی، اخلاقی حمایت کا اصل محرک ومقصد افغانستان کے ذریعہ سویت یونین کو سبق سکھانے کی خواہش تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس جہاد نے امت مسلمہ کے لیے کچھ اور ہی کردار ادا کیا لیکن اس کا محرک اور پشت پناہ کیا ''القاعدہ'' تھا یا پنٹا گون اور سیاہ باطن والا ''سفید گھر''؟

ہمیں مغربی نقادوں کی اس رائے سے بھی مکمل اختلاف ہے کہ مسلم دنیا کے خلاف امریکہ اور بعض یورپی ممالک کی موجودہ جنگ تشدد کے خلاف ہے۔ واقعات نے یہ بات عیاں کردی ہے کہ اس کا اصل ہدف وہ معدنی ذخائر ہیں جن پر امریکہ اور بعض یورپی اقوام دوبارہ مکمل تصرف و قبضہ کر کے اپنے معاشی مستقبل کو یقینی بنانا چاہتے ہیں۔ اس غرض کے لیے جو حکمت عملی طے کی گئی ہے وہ خفیہ نہیں ہے بلکہ بانگ دہل یہ بات کہی جارہی ہے کہ جہاں کہیں ضرورت ہو عسکری کارروائی سے اور جہاں اس کے بغیر کام ہو جائے مسلم ممالک میں ایسے افراد کو برسراقتدار لایا جائے جو امریکی مفادات ہی کو اپنا مفاد سمجھتے ہوں بصورت دیگر برہنہ قوت کے استعمال سے ان ممالک کو زیر کر کے یک قطبی نظام میں امریکہ کی برتری کو یقینی بنایا جائے۔ اسلامی تحریکات اور تحریکات حریت سے نجات کے لیے انہیں پہلے کسی نہ کسی طرح ایک فرضی دشمن (القاعدہ) کے ساتھ ملوث ظاہر کیا جائے اور پھر انہیں قوت کے استعمال سے دبا دیا جائے۔ برہنہ قوت کا یہ استعمال امریکی سیاسی بازیگروں کی اصطلاح میں امریکہ کی سلامتی کے لیے ضروری ہے اس لیے مباح وحلال بلکہ فرضِ عین ہے۔

چنانچہ تشدد کی ایک نئی تعریف یوں کی جارہی ہے کہ امریکہ نے گزشتہ تین چار عشروں میں دنیا کے مختلف ممالک واقوام پر جو دست درازیاں کی ہیں وہ نہ تشدد ہیں نہ حقوق انسانی کی پامالی چنانچہ James Glayr جو Veterons of Foreign Wars نامی ایک امریکی تنظیم کا رکن ہے اپنے ایک مضمون میں ہمیں یہ معاملات فراہم کرتا ہے۔ اس کے بقول اس عرصہ میں امریکہ نے دنیا کے ۶۷ ممالک پر جارحانہ حملے کیے ہیں جن میں چند ممالک یہ ہیں:

کوسے موائی اور مٹسا آئی لینڈ، تائیوان، لاؤس، ویت نام، کیوبا، ڈومینیک ریپبلک، کوریا، کمبوڈیا، تھائی لینڈ، لبنان، آسٹریا، لیبیا، خلیج فارس، صومالیہ، ایکسلواڈور، پانامہ، اور کوسوو وغیرہ[1]۔

شاید امریکہ کی اس دیدہ دلیری پر بزبانِ شاعر یوں کہا جاسکتا ہے کہ

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

---

1. James Glayr, "And Just How Many Countries We Attacked", *Online*,, Oct. 15, 2002

مسئلہ کا حل ہماری نگاہ میں اسلام اور مسلمانوں پر الزام تراشی اور قوت کے ذریعہ مسلم دنیا کو زیر کر لینا نہیں ہوسکتا۔ نہ مغرب کی پروردہ سیاسی قوتوں کے ذریعہ مسلم عوام کو دبا کر یا بین الاقوامی اداروں کی مدد سے مسلم دنیا میں نوجوانوں کی آبادی کو گھٹا کر کیا جاسکتا ہے۔ بعض مغربی مستشرقین کا کہنا ہے کہ ۲۰۲۰ء تک ضبط ولادت کی بین الاقوامی کوششوں کے نتیجے میں اور مختلف عنوانات سے نواجوانوں کو بربریت کا نشانہ بنانے کے نتیجہ میں ان کی تعداد میں واضح تبدیلی متوقع ہے اور اس طرح انقلابیت اور جہادی اور حریت پسند تحریکات کی قوت میں خود بخود کمی واقع ہو جائے گی۔

گویا ضبط ولادت کی تحریک کے خفیہ مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس طرح نوجوانوں کے موجودہ تناسب کو متغیر کر کے ''دہشت گرد فورس'' کی عددی قوت میں کمی پیدا کر دی جائے، جو ہمارے نقطہ نظر سے خود ایک دہشت پسندانہ حرکت ہے۔ دہشت گردی صرف گولی یا خنجر سے نہیں ہوتی اس کی بعض شکلیں بظاہر بڑی معصوم معلوم ہوتی ہیں لیکن نتائج کے لحاظ سے گولی کے ذریعہ قتل کرنے سے زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی عالمی بنک کا ایک ترقی پذیر ملک سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ ان سودی قرضوں کی ادائیگی کے لیے، جن کا سود وہ اصل سے زیادہ وصول کر چکا ہو، اپنے قومی اثاثے فروخت کر کے ادائیگی کر دے، معاشی دہشت گردی کی کھلی مثال ہے۔ کسی طاقتور ملک کا ایک ترقی پذیر ملک سے یہ کہنا کہ اگر وہ دوست رہنا چاہتا ہے تو اپنی حاکمیت کو طاق پر رکھ کر اپنی زمین اور فضائیں اس کے حوالے کر دے تاکہ وہ کسی پڑوسی ملک پر بمباری کر کے اپنی قوت کا سکہ جما سکے، بدترین قسم کی سیاسی اور بین الاقوامی دہشت گردی ہے۔ اسی طرح کسی عالمی ابلاغی ادارہ کا دنیا کے دیگر ممالک کو اپنی ثقافت میں رنگنا اور اس کی اچھائی اور برائی کے پیمانوں کو اپنی خواہش کا تابع کر دینا ابلاغی شدت پسندی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

مسئلہ کا اصل حل مسلم دنیا میں ایک عادلانہ، روح جمہوریت کے حامل معاشی طور پر مستحکم اور ثقافتی طور پر اسلامی نظام کا قیام ہے تاکہ اندرونی طور پر امن وعدل کے قیام سے شدت پسندی کی نفسیات کو تبدیل کیا جاسکے۔ اصل حل، جہالت کے خلاف جہاد، معاشی استحصال کے خلاف جہاد، فحاشی کے خلاف جہاد، ظلم وزیادتی کے خلاف جہاد، خواتین اور بچوں کے حقوق کی پامالی کے خلاف جہاد کے ذریعہ آنے والی نسلوں کے ذہن اور روح میں احترام انسانیت جاگزیں کرنا ہے۔